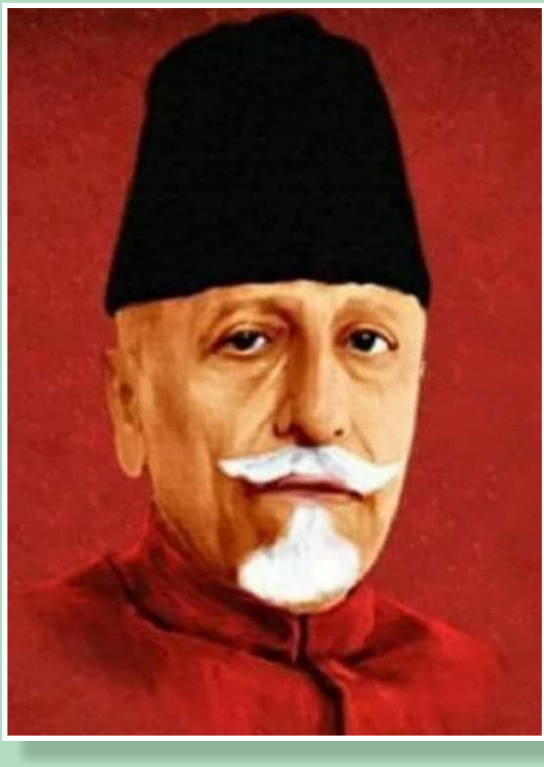
امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد
کی تاریخی بصیرت



ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

امام الہند

مولانا ابوالکلام آزاد

کی تاریخی بصیرت

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بسم الله الرحمن الرحيم

امام الہند
مولانا ابوالکلام آزاد
کی تاریخی بصیرت

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ادبی دائرہ اعظم گڑھ

IMAMUL HIND MAULANA ABUL KALAM AZAD
KI TARIKHI BASIRAT

by: Dr. Mohammad Ilyas Azmi
azmi408@gmail.com
+919838573645

Year of edition 2023
Page 224 Rs : 100/-

- کتاب : امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی بصیرت
- مصنف : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
- ناشر : مصنف
- باراول : فروری ۲۰۲۳ء
- مطبع : برقی ایڈیشن

ملنے کا پتہ:

- مکتبہ دار المصنّفین شبلی اکیڈمی۔ اعظم گڑھ
- مکتبہ جامعہ، اردو بازار جامع مسجد۔ دہلی

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678203, 45678286, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

○○○

انتساب

اردو و فارسی کے ممتاز شاعر

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی مرحوم

سابق رئیس بخش فارسی آل انڈیا ریڈیو دہلی

کے نام

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر

نظم حسرتؔ میں کچھ مزہ نہ رہا

دیباچہ

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) ایک نابغہ روزگار شخصیت کا نام ہے۔ جس طرح تاریخ ادبیات میں ان کی ادبی حیثیت مسلم ہے، اسی طرح ان کی تاریخی بصیرت بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ان کی شخصیت اور فکروفن پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ یہ مقالہ بھی اسی سلسلہ کا ایک حصہ ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں مولانا ابوالکلام آزاد ایک ایسی جامع کمال ہستی ہیں جنہیں شاید کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ خاص طور پر ملت اسلامیہ پر ان کے جو احسانات ہیں اور ان کی جو ادبی کاوشیں ہیں انہیں نظرانداز کرنا گویا خود کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہوگا۔

زیرنظر مقالہ اگرچہ ناچیز راقم الحروف کی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کی ہمہ جہت اور ہشت پہل سیرت وشخصیت کا محض ایک پہلو اور ایک گوشہ ہے۔ تاہم یہ ایک انتہائی اہم، فکرانگیز اور لائق مطالعہ پہلو ہے۔

اس مقالہ میں مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کا بھرپور مطالعہ وجائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعض اہم پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ یہ تاریخی اور تحقیقی مقالہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے ایک سمینار میں پیش کیا گیا تھا۔ جسے علی العموم پسند کیا گیا تھا اور خاص طور پر خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری کے اس وقت کے ڈائرکٹر اور ہمارے کرم فرما ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری نے بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس

میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اس مقالہ کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اسے کتابچے کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ البتہ اس پر نظر ثانی اور اسے ہر طرح کے اغلاط سے پاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید کہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یگانہ روزگار شخصیت کے مطالعہ میں اس تحریر سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

ہمارے عزیز دوست ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے ۵/دسمبر ۲۰۲۲ء کو اچانک وفات پائی، جس سے پوری ادبی دنیا اب تک سوگوار ہے۔ بطور خراج عقیدت اس مقالہ کا انتساب ان کے نام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

ناچیز

۲۲/فروری ۲۰۲۳ء　　　　محمد الیاس الاعظمی

امام الہند

مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی بصیرت

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء) کی شخصیت متنوع اوصاف و کمالات سے متصف تھی۔ تفسیر، تہذیب، تحقیق وتنقید، تاریخ وتعلیم، شعروادب، خطابت و صحافت، سیاست، غرض علم وفن کا کون سا میدان اور گوشہ ایسا ہے جس میں ان کے فضل و کمال کے تابندہ نقوش ثبت نہیں۔ ان کا شمار عبقری اور ممتاز ترین اشخاص میں ہوتا ہے، لیکن اس جامعیت کے ساتھ ان کی انفرادیت بھی نمایاں ہے۔

ان کی انفرادیت کے متعدد اسباب ومحرکات ہیں، ان میں سب سے اہم اور بنیادی سبب ان کی تاریخی بصیرت ہے، جس سے انہوں نے اپنی تمام مذہبی، تفسیری، علمی وادبی، تعلیمی، سیاسی اور صحافتی کاوشوں میں کام لیا، واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کی تحریروں سے ان کے تاریخی شعور اور تاریخی مباحث کو علاحدہ کر دیا جائے تو غالباً وہ اپنی مخصوص انفرادی شان سے بھی جدا ہو کر رہ جائیں گے۔

مولانا آزاد عام معنوں میں مورخ نہ تھے، لیکن وہ تاریخ اس کے رموز ونکات اور اس کی اہمیت وافادیت سے بخوبی واقف تھے، تاریخ کا انہوں نے بطور خاص مطالعہ کیا تھا، انہوں نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ ''میں تاریخ اور فلسفے کا خاص طور سے مطالعہ کرتا

رہا۔''(۱) اس مطالعے نے بالآخر ان میں ایسا رچا ہوا پختہ تاریخی شعور پیدا کر دیا جو ان کی تمام کاوشوں کا حصہ بن گیا۔

تاریخ کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ قیاس وظن اور شخصی رایوں کے پریشان مجموعے کا نام ہے(۲)، مگر یہی اوراق پریشاں ان کے خیال میں بصیرت ودانائی کا ذریعہ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''دنیا میں سب سے پہلے انسان کے آگے تاریخ یعنی دنیا کے گذرے ہوئے واقعات آتے ہیں اور ان ہی سے انسان تجربہ کی دانائی اور بصیرت حاصل کرتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ہمیشہ ایک ہی طرح کے واقعات ظاہر ہوئے، ایک ہی طرح کے اعلانات کئے گئے، ایک ہی طرح کی حالتیں طاری ہوئیں اور ایک ہی طرح کے نتیجے نکلے، پس تجزیہ اور استقرا اسے بتلا دیتا ہے کہ اب بھی ہمیشہ جب کبھی ویسی حالتیں پیدا ہوں گی تو ویسے ہی نتائج نکلیں گے اور اگر آگ کے شعلوں نے ہمیشہ انسان کے جسم کو راکھ کیا ہے تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ آگ کے شعلوں میں کود کر کوئی ٹھنڈک پائے۔''(۳)

تاریخ اسی وقت مصدر بصیرت ودانائی ہے جب وہ اپنی اصلی صورت میں باقی ہو، ورنہ وہ تخریب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، مولانا کا خیال تھا کہ تاریخ میں غلط بیانی یا اس کی غلط ترجمانی سے اتحاد واتفاق کے بجائے انتشار، تصادم اور منافرت پیدا ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''تاریخ کی غلط تعلیم نے انسان کو تقسیم کر دیا ہے، ہماری موجودہ تاریخی کتابوں میں بتایا جاتا ہے کہ انسان مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں پھر ان اقوام کی داستان میں باہمی تصادم پر زور دیا جاتا ہے اور

مختلف گروہوں میں نفرت اور منافرت کو پیش کیا جاتا ہے، ناگزیر ہے کہ
اس طرح جو تاریخ پڑھائی جائے گی اس سے ذہنی تنگی اور تصادم پیدا ہوگا،
مطمح نظر محدود ہو جائے گا اور بچے کے ذہن میں علاحدگی کا احساس
پرورش پانے لگے گا۔''(۴)

وہ اس بات سے رنجیدہ تھے کہ انگریزوں نے منافرت پیدا کرنے کے لئے تاریخ میں دروغ بیانیوں اور غلط کاریوں کو روا رکھا، چنانچہ جب ایلیٹ کی مورخانہ تدلیسات کا جائزہ لیا گیا اور اس کے مضمرات کی نشاندہی کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔(۵)

مولانا آزاد کی شخصیت میں قومی یکجہتی، جذباتی ہم آہنگی اور انسان دوستی کے جو جذبات موجزن تھے وہ بھی ان کے بلند تاریخی شعور ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، ضیاء الحسن فاروقی نے مولانا آزاد کے اسی طرز فکر کو ہیومنزم (Humanism) سے تعبیر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مذہب، فلسفہ، شعر و ادب، فکر و فن اور تاریخ عالم پر مولانا کی نظر گہری تھی
اسی نظر سے ان پر یہ حقیقت کھلی تھی کہ اعلیٰ تہذیبی و انسانی قدریں کسی
خاص قوم کی امانت نہیں، یہ سب کی ہیں اور ان کی خدمت دنیا کی تمام
متمدن اقوام نے تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں اپنی حیثیت اور
استطاعت کے مطابق کی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح اس
تاریخی نظر کی بدولت انسان دوستی سے متعلق ان کا جو فکر بنا اسے ہم ہیومنزم
سے تعبیر کر سکتے ہیں۔(۶)

مولانا آزاد نے ابتدائی دور میں جن رسائل و جرائد کا اجرا کیا، ان کے ذریعہ وہ اور کاموں کے ساتھ خدمت تاریخ کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۱ء میں 'المصباح' جاری کیا تو علم و ادب کے ساتھ خدمت تاریخ بھی اس کے اجرا کے مقاصد میں شامل تھی۔

چنانچہ جب تک یہ رسالہ نکلا اس کے چند صفحات تاریخ وسوانح کے لئے مختص رہے۔ اسی طرح ماہنامہ لسان الصدق کلکتہ کے چار مقاصد میں ایک مقصد تاریخی مضامین کی اشاعت بھی تھا۔ جناب عبدالقوی دسنوی کے بقول اس رسالے نے جن چار مقاصد کا ابتدا میں اعلان کیا تھا اس پر سختی سے کاربندرہا۔(۷)

ماہنامہ 'الندوہ' لکھنؤ اور 'وکیل' امرتسر کے بعد انہوں نے اپنا مشہور جریدہ ''الہلال'' جاری کیا جو ان کی علمی وصحافتی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے خاص طور پر جدوجہد آزادی کو نیا رخ اور مسلمانوں کو نیا عزم وحوصلہ عطا کیا، 'الہلال' کے ذریعہ بھی انہوں نے تاریخ وتہذیب کی بڑی خدمت کی۔ اس میں متعدد موضوعات تاریخ پر مضامین و مقالات شائع ہوئے۔ کچھ مولانا کے قلم سے اور کچھ دوسروں کی نگارشات کی شکل میں۔

''الہلال'' میں تاریخ کی بعض اہم کتابوں مثلاً مآثر الامراء، سروآزاد، تاریخ کبیر، علم الآثار مصر وغیرہ پر تنقید وتبصرے بھی مولانا آزاد کی تاریخ سے دلچسپی کے مظاہر ہیں۔ جدید اثری تحقیقات سے متعلق متعدد مضامین ''الہلال'' میں شائع ہوئے ہیں۔ اصلاً مولانا آزاد کو جدید اثری تحقیقات سے ابتدا ہی سے بڑی دلچسپی تھی۔ خدنگ نظر میں بھی انھوں نے اس موضوع پر کئی مضامین لکھے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آثار قدیمہ قدیم تاریخ وتہذیب کا سب سے اہم اور بنیادی ماخذ ہے اور اسی کے ذریعہ قدیم تاریخ وتہذیب مرتب شکل میں استناد کے ساتھ پیش کی جاسکتی ہے(۸) یہی وجہ ہے کہ جب کبھی انہیں موقع میسر آجاتا تو وہ آثار قدیمہ کے مطالعے ومشاہدے سے بھی گریز نہ کرتے۔

مولانا آزاد نے نہ صرف تاریخ اسلام کا گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیا تھا بلکہ وہ عالمی تاریخ پر بھی گہری اور ماہرانہ نظر رکھتے تھے۔ قدیم تہذیبوں کی تاریخ کا بھی انہوں نے بنظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تحریر وتقریر، حتیٰ کی خطوط سے بھی ان کی تاریخی بصیرت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ ''غبار خاطر'' کے خطوط ادب وانشا کا شاہکار ہیں،

لیکن ان خطوط میں بھی متعدد تاریخی مباحث آ گئے ہیں۔قلعہ احمد نگر کی تاریخ ہو یا جہا گیر، شاہ جہاں، داراشکوہ، اور عالمگیر کے عہد کے واقعات، غبار خاطر میں ان کا ذکر ایسے تاریخی انداز واسلوب میں ہے کہ بے ساختہ ان کی تاریخ دانی پر تحسین وآفرین کے کلمات نکل پڑتے ہیں۔ عالم گیر کے زین آبادی سے معاشقے کی داستان اس دلچسپ انداز میں قلم بند کی ہے کہ تاریخ کے طالب اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔متعدد مورخین اور اہل قلم نے عالم گیر کے اس معاشقے کا انکار کیا ہے، مگر مولانا آزاد نے اس کی پوری تفصیل لکھ کر عالم گیر کی زبان سے خود اپنے احساس کی بھی غمازی کر دی کہ ؎

گزر چکی ہے یہ فصل بہار ہم پر بھی (۹)

''غبار خاطر''ہی کی طرح'' کاروان خیال''اور بعض دوسرے مکاتیب کے مجموعوں کے بارے میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ تاریخ کے مباحث سے لبریز ہیں، ان کے خطبات میں بھی تاریخ کے عناصر پوری طرح جلوہ گر ہیں، حتیٰ کہ مذہبی کتابوں اور مضامین میں بھی ان کا تاریخی شعور ان کا رفیق قلم ہوتا ہے، مثلاً جامع الشواہد فی دخول غیرالمسلم فی المساجد ان کا ایک مذہبی رسالہ ہے مگر اس مذہبی بحث میں بھی انھوں نے تاریخ ہی سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ ممنوع نہیں، انہوں نے تاریخ سے عہد نبویؐ میں یہود و نصاریٰ کے ان وفود کا ذکر کیا ہے جنہیں آپ ﷺ نے مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا، پروفیسر خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں واقعہ یہ ہے کہ ''مولانا آزاد کا تاریخی شعور خون زندگی کی طرح ان کی ہر تحریر وتقریر میں دوڑتا نظر آتا ہے۔''(۱۰) تاریخ اسلام سے ان کی حد درجہ بڑھی ہوئی دلچسپی کے متعدد شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، علماء کو میدان عمل میں سرگرم عمل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ حضرت سعید بن المسیب کو دیکھئے کہ حکام کے جور کے حکم سے ان

> کی پیٹھ پر درے لگائے جارہے ہیں مگر ان کی زبان صدق بیان اعلان حق میں پہلے سے زیادہ سرگرم ہوگئی ہے۔ آپ مدینے کی گلیوں میں حضرت مالک بن انس کو دیکھئے ان کی مشکیں کس زور سے کس دی گئی ہیں کہ بازو اکھڑ گئے ہیں اور اوپر سے پیہم تازیانے کی ضربیں پڑ رہی ہیں۔ آپ امام احمد بن حنبل کو دیکھئے کہ نو جلاد یکے بعد دیگرے تازیانے لگا رہے ہیں، پیٹھ زخموں سے چور چور ہوگئی ہے، تمام جسم خون سے رنگین ہو چکا ہے۔"(۱۱)

اس سلسلے کی ان کی دوسری اہم کاوش ان کی مشہور کتاب تذکرہ ہے جو رانچی کی نظر بندی کی یادگار رہے، اس میں اگر چہ مولانا آزاد نے اپنے پردادا شاہ محمد افضل کے مادری سلسلے کے بزرگ شیخ جمال الدین دہلوی کے حالات وسوانح، ان کی علمی و دینی خدمات کی تاریخ قلم بند کی ہے تاہم اس میں متعدد علماء ومشائخ کے حالات وسوانح، بعض دینی تحریکات اور معاشرتی واقعات کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ اس سے شیخ جمال الدین دہلوی کے عہد کی مذہبی اور تہذیبی تاریخ کا پورا مرقع سامنے آجاتا ہے، تذکرہ کو ہم مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دے سکتے ہیں، اس کے بارے میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ:

> تذکرہ کئی لحاظ سے ان کی بہترین تصنیف ہے، اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک ایسے شخص کی لکھی ہوئی ہے جو دنیائے اسلام کی ذہنی اور مذہبی تاریخ سے پوری طرح واقف ہے اور ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں سے باخبر ہے جنھوں نے مسلمانوں پر اچھا یا برا اثر ڈالا۔ مولانا کی اس خوبی کی وجہ سے نہ صرف ہمیں چند نہایت بلند پایہ تصانیف بہم پہنچی بلکہ ایک ایسی مثال قائم ہوگئی جس کی تھوڑی بہت پیروی دوسرے بزرگ بھی کرتے ہیں۔(۱۲)

مولانا آزاد کے بلند پایہ تاریخی شعور کے اس اعتراف کے باوجود شیخ محمد اکرام نے تذکرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے ہماری تاریخ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ تذکرہ کا قوم کے مذاق تذکرہ نگاری پر بڑا ناخوشگوار اثر پڑا۔(۱۳)
شیخ محمد اکرام کے اس خیال سے اتفاق اس لئے نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ کسی تاریخ و تذکرے میں چند تسامحات کا راہ پا جانا چنداں اہم نہیں اور نہ اس سے فن کی عظمت داغ دار ہوتی ہے۔ مثلاً آب حیات میں تلاش و تفحص کے متعدد تسامحات محققین نے دکھلائے ہیں لیکن کون ہے جو آب حیات کی عظمت کا معترف نہیں۔

مولانا آزاد چونکہ کئی زبانوں سے واقف تھے اس لئے دوسرے ملکوں اور زبانوں میں اسلامی تاریخ اور علوم سے متعلق جو تحقیقات شائع ہوتی تھیں یا ان زبانوں میں جو سرمایہ تھا ان پر بھی ان کی نظر تھی، مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ ''یورپ کی زبانوں خصوصاً جرمن میں اسلامی تاریخ و علوم کے متعلق مفید چیزیں موجود ہیں۔''(۱۴)
جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مولانا آزاد کو قدیم تاریخ و تہذیب سے خاص دلچسپی تھی اور اس کا انہوں نے بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا، ان کے امتیازات و خصوصیات اور ترقی و تنزل کے اسباب بھی ان کی نظر میں تھے اور ان کے بارے میں بہت واضح رائے رکھتے تھے۔قدیم ایرانی تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''تاریخ عہد قدیم کی تاریکی ہمیں کچھ نہیں بتلاتی کہ وہ عظیم الشان ایرانی جنہوں نے اصطخر کی عظیم الاثر محرابیں بنائیں اور اپنی روایتوں کے اندر دیوؤں سے لڑے اور تمام بحر و بر کو تخت ایران کے آگے سر بسجود دیکھا، دنیا میں کیوں نمایاں ہوئے تھے اور دنیا نے ان سے کیا پایا، البتہ دریائے فرات کے کنارے کے وحشت ناک تودے اور کہیں کہیں سے ابھر کر آجانے والی شکستہ دیواریں اپنے اندر ایک تاریخی عمل ضرور رکھتی ہیں اور

ایران کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتلاتی ہیں کہ عہد قدیم عظیم الشان کشور تمدن یعنی بابل پر خوفناک درندوں کی طرح چڑھ آئے اور اس کی عجیب الصناعہ دیواروں کے نیچے بربادی اور تباہی نے ان کے مقصد ظہور پر نوحہ پڑھا۔''(۱۵)

بابل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پھر وہ بابل (جو ایرانیوں کی خونخواری پر نوحہ خواں ہے) دنیا میں کس غرض سے آیا تھا اور کیا کر گیا، یہ سچ ہے کہ اس نے معلق باغ بنائے جو بڑے ہی عجیب تھے اور آج بھی عجیب سمجھے جاتے ہیں لیکن اس کے تمدن وانسانیت نے ان باغوں کے ساتھ کیا کیا جو گو عجیب نہ تھے لیکن باغبانی دنیا کے ہزارہا برسوں کی محنت کی کمائی تھی ، ہولناک بخت نصر کا تاراج کن سیلاب جب شام میں پھیلا ہے ، تو یروشلم (بیت المقدس) کی زمین کا چپہ چپہ شادابی وسرسبزی کا بہشت تھا لیکن بابل کے فرزند وہاں اس لئے آئے تھے کہ زندگی کی شادابی کی جگہ آگ کے حرفوں کے نقشوں میں اپنے ظہور کا مقصد لکھ جائیں ۔(۱۶)

اسی طرح وہ رومیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہم نہیں جانتے کہ روم کے ہولناک فاتحوں کا جن کے سر پر تمدن قدیم کا سب سے زیادہ درخشاں چاند نظر آتا ہے کیا مقصد تھا؟ مگر ہم نے شمالی افریقہ میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ایک تودہ دیکھا ہے جس کے اندر کارتھج کی دیواروں کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں نکلتی رہتی ہیں اور ایران وشام کی خاک کے ذرے کہتے ہیں کہ ہمیں سب سے زیادہ خون ان ہی رومی تلواروں کی لعنت سے نصیب ہوا۔(۱۷)

قدیم مصری تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ہم کو نہیں معلوم کہ عظیم الشان مصری دنیا میں کیوں آئے تھے لیکن ہم نے ہیروغلیفی نقوش کے اندر پڑھا ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی قوموں کو غلام بنا کر ذلیل وخوار کیا، ان کو عجیب عجیب طرح کے آلہ ہائے تعذیب کے شکنجوں میں کسا، جن کی تصویریں منی فس کے مندر میں دیکھ کر ہم اشک آلود ہیں۔(۱۸)

ان اقتباسات تاریخ سے قدیم تہذیبوں کے بارے میں مولانا آزاد کے نقطہ نظر کے ساتھ عالمی تاریخ کے نشیب وفراز اور ان کی امتیازی خصوصیات سامنے آجاتی ہیں۔ تاریخ عالم پر مولانا کی نظر کس قدر گہری تھی اور اس سے وہ کس طرح زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف موقعوں میں کام لیتے تھے اس کی واضح مثال ان کا وہ بیان ہے جو انہوں نے عدالت کے کٹہرے میں دیا تھا اور جو قول فیصل کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے، عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہوئی ہیں۔ ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کی طرح کھڑے کئے گئے، ہم کو اس میں سقراط نظر آتا ہے جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا، ہم کو اس میں فلارنس کے فداکار حقیقت گلیگلیو کا نام بھی ملتا ہے۔''(۱۹)

قدیم تاریخ وتہذیب سے متعلق مولانا آزاد کا سب سے اہم تاریخی کارنامہ ترجمان القرآن میں اصحاب کہف، رقیم اور ذوالقرنین سے متعلق تحقیقات ہیں، غالباً مولانا آزاد پہلے مفسر ہیں جنھوں نے ان تاریخی مباحث پر جدید اثری تحقیقات اور اکتشافات کی روشنی

میں مفصل بحث وتحقیق کی ہے۔

قرآن پاک میں اصحاب کہف کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن یہ تعیین نہیں کہ اصحاب کہف کا واقعہ کہاں پیش آیا اور رقیم سے کیا مراد ہے؟ کہف کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے، بعض ایک پہاڑی کہہ کر گزر گئے ہیں اور بعض نے محض کسی پہاڑ کے نام پر اکتفا کر لیا ہے لیکن یہ سوال کہ یہ واقعہ کہاں پیش آیا حل نہیں ہوسکا۔ مولانا آزاد نے ایک طویل مورخانہ بحث کی ہے اور جدید تحقیقات کی روشنی میں ثابت کیا کہ عمان کے قریب جو پہاڑیاں واقع ہیں ان میں بے شمار کہف یعنی غار ہیں، اس میں ایک ایسا کہف بھی ہے جو قرآن پاک کے بیانات کے مطابق ہے۔

اسی طرح الرقیم کی بھی بحث ہے، بعض ائمہ تابعین نے اسے ایک شہر بتایا تھا لیکن چونکہ عام طور سے اس نام کا کوئی شہر موجود نہ تھا اس لئے بعض مفسرین نے اس کی طرح طرح سے تاویل وتوجیہ کی، بعض نے اس کا مطلب کتاب سے نکالا تو بعض نے اس سے کتبہ اور کتابت کا مفہوم متعین کیا مگر مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ:

> ''اگر انہوں نے توراۃ کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ رقیم وہی لفظ ہے جسے توراۃ میں راقیم کہا گیا ہے اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام ہے جو آگے چل کر پٹرا (Petra) کے نام سے مشہور ہوا۔ اور عرب اسے بطرا کہنے لگے۔(۲۰)

مولانا آزاد نے یہاں بھی جدید اثری تحقیقات کا سہارا لیا ہے اور مفصل بحث و تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ رقیم سے مراد ایک شہر ہے جو پٹرا کے نام سے معروف ہے، اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا اور قرآن پاک نے صاف صاف اسی شہر کا ذکر کیا ہے۔(۲۱)

دوسری اہم تاریخی بحث ذوالقرنین کی ہے۔ ذوالقرنین کون تھے یہ ایک اہم سوال

ہے، قدیم مفسرین نے ذوالقرنین کا مطلب دوسینگوں والا لیا، لیکن تاریخ میں دوسینگوں والے کسی بادشاہ کا سراغ نہیں ملا، تو انہوں نے طرح طرح کے تکلفات برتے، فتوحات کی وسعت اور حکمرانی کے لحاظ سے ان کے معیار پر سکندر مقدونی پورا اترا تو اسی کو ذوالقرنین قرار دے دیا حتی کہ امام رازی نے بھی اس کو ذوالقرنین لکھا ہے مگر مولانا آزاد نے اس کے برعکس ایک طویل مورخانہ بحث وتحقیق سے ثابت کیا ہے کہ سکندر مقدونی ذوالقرنین ہو ہی نہیں سکتا ہے کیوں کہ قرآن نے جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے وہ ایک خدارسیدہ نیک صفت اور خداترس بادشاہ تھا جب کہ سکندر مقدونی کی شخصیت ان صفات سے عاری بلکہ اس کے برعکس تھی ، پھر مولانا آزاد نے قدیم تاریخ، کتب آسمانی ، جدید اثری تحقیقات اور قرآن پاک سے دلائل وشواہد پیش کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اصلاً ذوالقرنین سے مراد ایران کا ایک نیک خصلت اور عظیم المرتبت بادشاہ سائرس (Syrus) کیخسر وتھا۔ مولانا آزاد نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ سائرس ہی کا لقب ذوالقرنین تھا اور اس میں قرآن پاک کی بیان کردہ تمام خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔(۲۲)

اس طویل تاریخی بحث میں مولانا آزاد نے ایک مشاق مورخ کی طرح بحث کی ہے مستند دلائل دئے ہیں اور مستند ماخذوں سے استناد کیا ہے، کتب آسمانی اور قدیم مورخین مثلاً ہیروڈوٹس وغیرہ کے بیانات اوران کی صداقت کا بھی جائزہ لیا ہے، تاریخ نگاری کے اصولوں میں مآخذ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، مولانا نے اس کا بڑا خیال رکھا ہے، اسی طرح واقعات کے تسلسل کو باقی رکھنے اوران میں باہمی ربط پیدا کرنے کے لئے قیاس اور استنباط سے بھی مورخ کام لیتا ہے مولانا آزاد نے بھی اس اصول کی پوری طرح پاسداری کی ہے مثلاً یہ کہ اصحاب کہف کے واقعہ کی عربوں میں بڑی شہرت تھی اور چونکہ ان کے ذرائع و وسائل معلومات محدود تھے اس لئے امکان ہے کہ یہ واقعہ کہیں قریب ہی میں پیش آیا ہوگا، مولانا نے اور بھی دلائل دئے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''اول تو خود یہ مقام (بطرا) عرب سے قریب تھا یعنی عرب کی سرحد سے ۶۰۔۷۰ میل کے فاصلے پر تھا ثانیاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور ان ہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔

خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہ راہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کردی تھی، پیٹرا (بطرا) اسی شاہ راہ پر واقع تھا، بلکہ یہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی اس لئے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آ گیا ہو۔'' (۲۳)

ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل یہ پوری بحث پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، مولانا نے جس طرح قدیم تہذیبوں کا مطالعہ و جائزہ پیش کیا ہے اور جس طرح دلائل و شواہد پیش کر کے نتائج اخذ کئے ہیں وہ ان کی بلند پایہ تاریخی بصیرت کی غمازی کرتے ہیں، مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے الفاظ میں ''مولانا نے اس بحث میں ایک بلند پایہ مورخ کا رول ادا کیا ہے۔'' (۲۴)

اس جائزے کے بعد جناب ابوسلمان شاہجہاں پوری کی یہ رائے یقیناً مبالغہ نہیں معلوم ہوگی کہ تاریخ عالم کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک پہلو پر مولانا کی نظر تھی۔ (۲۵)

مولانا آزاد کی شخصیت تاریخ داں سے بڑھ کر تاریخ ساز کی تھی، اس بات کا خود ان کو بھی کسی قدر احساس تھا، اس کو بعض لوگوں نے گو اچھی تعبیر نہ دی لیکن یہ واقعہ ہے کہ وطن کی آزادی، سالمیت اور اس کی ترقی کے لئے انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھے جائیں گے۔ انہیں اپنے وطن کے ذرے ذرے سے پیار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے وطن کی تاریخ بھی بے حد عزیز ہے اور وہ اس کی قدیم و جدید تاریخ سے بخوبی واقف تھے، اپنی بعض تحریروں میں انہوں نے ہندوستان کی

قدیم تہذیب کا بعض دوسری قدیم تہذیبوں سے موازنہ ومقابلہ بھی کیا ہے اوراس میں بھی وطنی عظمت کا جذبہ ان پر حاوی ہے ، ان کا خیال تھا کہ موہن جداڑو تہذیب کا جنوبی ہندوستان اور مشرق وسطی کی تہذیب سے موازنہ ضروری ہے (۲۶) ان کو احساس تھا کہ اسلامی دنیا کو قدیم ہندوستان کی تاریخ وتہذیب، فلسفہ، ادب اور ادیان کی کچھ خبر نہیں بلکہ وہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے بھی ناواقف ہے۔ (۲۷)

چنانچہ انہوں نے قدیم وجدید ہندوستان کی تاریخ سے اسلامی دنیا کو روشناس کرانے کے لئے ایک مجلس قائم کی اوراس کی طرف سے رسالہ ''ثقافۃ الہند'' جاری کیا، اس نوعیت سے اس رسالے نے متعدد مضامین شائع کئے، ثقافۃ الہند میں عہد مغلیہ سے متعلق کئی نادر تصویریں شائع ہوئی ہیں جن پر مولانا آزاد کے قلم سے وضاحتی نوٹ ہیں چونکہ ان سے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت کے ساتھ فن مصوری میں ان کی مہارت کا بھی پتہ چلتا ہے اس لئے ان کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے، ثقافۃ الہند میں جہاں گیر کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے اس کے وضاحتی نوٹ میں مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ''مغل عہد کے فن مصوری کا یہ نہایت شاندار نمونہ ہے اس میں جہانگیر کو حالت سفر میں دکھایا گیا ہے، سامنے اس کے والد شہنشاہ اکبر کا مقبرہ ہے اور وہ گھوڑے پر سوار اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہے، اس کے جلو میں اعیان وامرا ہیں اور عقب میں ایک فوجی دستہ، اس کے سامنے ایک نوجوان ننگے سر عجز وانکسار کی حالت میں کھڑا ہے اور نوجوان کے پیچھے ایک شخص ایسی ہیئت میں نمایاں ہے گویا وہ نوجوان کو بحیثیت مجرم اور قیدی کے پیش کر رہا ہو، مرقع میں جن جن آدمیوں کی صورتیں دکھائی گئیں ہیں سب حقیقی ہیں یعنی جو آدمی اس موقع پر جس وضع اور لباس میں موجود تھے انہیں اسی طرح مصور نے نمایاں کیا ہے۔'' (۲۸)

یہ تصویر کس موقع کی ہے، یہ عقدہ ناحل شدہ تھا کیوں کہ ''تزک جہانگیری'' میں جہانگیر نے دومرتبہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کا ذکر کیا ہے، ان دونوں مواقع کی یہ تصویر نہیں ہے کیوں کہ ان دونوں سفروں میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جب کہ کسی مجرم کو اس کے سامنے پیش کیا گیا ہو، تصویر میں جہانگیر گھوڑے پر سوار ہے، پہلی بار جہانگیر گھوڑے پر گیا ہی نہیں تھا جب کہ دوسری بار گھوڑے پر ضرور گیا تھا مگر کسی مجرم کے پیش کرنے کا واقعہ پیش نہیں آیا، مولانا آزاد نے اس تصویر پر ایک مضمون لکھ کر تصویر کا ناحل شدہ معمہ حل کیا، انہوں نے لکھا ہے کہ اس تصویر کا مطلب حل کرنے میں دقت اس لئے پیش آئی کہ فرض کر لیا گیا کہ جہانگیر جب اکبر کے مقبرے کی زیارت کے لئے گیا اسی وقت کا منظر اس تصویر میں دکھایا گیا ہے اور چونکہ وہ زیارت کے لئے صرف دومرتبہ گیا اور دونوں موقعوں پر گرفتاری کا واقعہ پیش نہیں آیا اس لئے یہ تصویر معمہ بن کر رہ گئی ہے اور اس کا مطلب حل نہیں ہوا، دراصل اس تصویر کا تعلق اس موقع سے ہے جب جہانگیر کی تخت نشینی کے پہلے سال اس کا بیٹا خسرو بقصد بغاوت قلعہ آگرہ سے نکل کر پنجاب کی طرف بھاگا ہے اور جہانگیر اس کے تعاقب میں نکلا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنے دعوے کے ثبوت میں تزک جہانگیری سے یہ اقتباس بھی پیش کیا ہے:

> ''آٹھ ذی الحجہ یکشنبہ کی رات خسرو قلعہ سے نکلا اور تین سو پچاس سواروں کے ساتھ جنہیں اس نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا کسی جانب روانہ ہو گیا، پہلے میں نے شیخ فرید بخشی بیگی کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا پھر صبح کے وقت متوکلاً علی اللہ بغیر کسی خاص سروسامان کے خود بھی روانہ ہو گیا جب میں سکندرا پہنچا تو میں نے چاہا کہ والد بزرگوار کی روحانیت سے استمداد چاہوں، چنانچہ ان کے روضۂ منورہ پر حاضر ہوا، اسی اثنا میں کچھ لوگ مرزا حسن پسر مرزا شاہ رخ کو پکڑے ہوئے قریہ سکندرا سے لائے اور

عرض کیا کہ یہ بھی خسرو کی ہمراہی کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے پیچھے روانہ ہونے والا تھا، جب یہ بات ہمیں معلوم ہوئی تو ہم نے اسے روک لیا، میں نے مرزا حسن سے پرسش کی تو وہ انکار کی جرأت نہ کر سکا، میں نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ باندھ کر اسے ہاتھی پر سوار کیا جائے۔''

پھر مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''جہانگیر کی اس تصریح نے اس تصویر کا پورا مطلب حل کر دیا، مصور نے اس موقع کی تصویر کھینچی ہے جب جہانگیر اپنے والد اکبر کے مقبرے کے سامنے پہنچا ہے اور کچھ لوگ مرزا حسن کو پکڑے ہوئے لائے جہانگیر نے گھوڑے کی لگام روک لی اور صورت حال دریافت کی، مرزا حسن سر جھکائے کھڑا ہے اور اس کو گرفتار کرنے والا اس کے پیچھے ہے، مرزا حسن کی حالت بتلا رہی ہے کہ اسے بے خبری کی حالت میں اچانک گرفتار کیا گیا ہے، سر برہنہ ہے گویا اس کی بھی اسے مہلت نہ ملی کہ سر پر پگڑی رکھ لیتا۔(۲۹)

اس بحث کے علاوہ مولانا آزاد کے متعدد مضامین بھی ان کی تاریخی بصیرت کا نمونہ ہیں۔ سرمد پر انہوں نے جو مضمون لکھا وہ نہ صرف تاریخ کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے بلکہ انہیں ایک دیدہ ور مورخ کی حیثیت بھی عطا کرتا ہے سرمد کی شہادت ایک بڑا تاریخی واقعہ ہے، مولانا آزاد نے اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کے حالات و واقعات تاریخ و تذکرہ کی قدیم کتابوں سے ڈھونڈ کر قلم بند کئے، سرمد پر قلم اٹھانا اس لحاظ سے بڑا دشوار تھا کہ ان کا تذکرہ عام طور سے مورخین نے نہیں کیا ہے مولانا آزاد نے عہد عالم گیری کی تمام تاریخوں کو کھنگال ڈالا اور ریزہ ریزہ جمع کر کے مقالے کی صورت دی، اس کی تفصیل پیش کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں:

''عہد عالمگیری اوراس کے بعد جس قدر فارسی تذکرے لکھے گئے ان میں بالعموم سرمد کے عنوان سے چند سطریں ملتی ہیں، لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اس قدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی میں ان کے نام خطوط لکھے جاتے تو لفافے کے لئے پورا پتہ بھی میسر نہ آتا اور پھر جو کچھ ہوں دقت یہ ہے کہ اس وقت سامنے نہیں میں نے عہد عالمگیری کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات مل جائیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ پولیٹکل عاقبت اندیشوں نے قلم کو روک لیا تھا، مرزا محمد کاظم نے عالم گیر کے حکم سے تمام سوانح وحالات بقید سنین قلم بند کرنے شروع کئے لیکن صرف دس سال ہی کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کر دیا گیا، اس کے بعد شاہ عالم کے عہد میں نواب عنایت اللہ کو خیال تکمیل ہوا، اس کے اشارہ سے مستعد خاں نے بقیہ چالیس سال کے سوانح قلم بند کئے اور ابتدائی دہ سالہ مجموعہ کا انتخاب شامل کر کے مآثر عالم گیری نام رکھا، میں نے ۱۰۷۱ھ کے حالات کے ورق گردانی کی کہ یہی سرمد کی شہادت کا سنہ ہے مگر حالات کا ملنا ایک طرف معلوم ہوتا ہے کہ پوری مستعدی کے ساتھ تاریخ کے صفحوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہید عشق کے جامۂ خوچکاں کی قطرہ افشانی سے حاشیہ پرکہیں دھبے نہ پڑ جائیں، لطف یہ ہے کہ اسی سال شاہ عباس ثانی اور حسین پاشا رومی کے سفرا آئے تھے ان کے حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچ کر بھی آگے بڑھنے سے نہیں رکتیں، خیر یہ حالات بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے تھے، طرہ بریں یہ کہ اس سال نواح دہلی میں کہیں چندلڑ کے شاہ و وزیر کی نقل کھیل رہے تھے ان میں ایک کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا، مصنوعی کوتوال نے غیظ

وغصہ میں آ کر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دے دی، نصف صفحے کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستان اہم کی نذر کیا گیا، مورخ کی نظر کا جب یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بے چارے کی نعش کیوں کر نظر آتی۔

خافی خاں کے منتخب اللباب عہد مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں کہ گویا صرف یہی زمانہ موضوع کتاب ہے قیاس کہتا تھا کہ اس نے یہ واقعہ نظر انداز کر دیا ہوگا کیوں کہ عالمگیری عہد کا قلم اس کے ہاتھ میں نہ تھا جس کو ہر قدم پر روک دئے جانے کا اندیشہ ہو، مگر جب اسے کھولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا سچ یہ ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا راز مورخ کا قلم ہے آج کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی باگ میں کتنی گرہیں ڈال دی گئیں تھیں۔(۳۰)

اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا آزاد نے عہد وسطیٰ کی تاریخ اور مورخین کا کس قدر باریکی سے جائزہ لیا تھا تاریخ ہند کے مآخذ کے سلسلے میں ان کی یہ رائے قابل ذکر ہے کہ محض فارسی تاریخوں سے استفادہ غور وفکر اور زاویہ نظر کو محدود کر دے گا، اس لئے عربی مآخذ سے بھی استفادہ لازمی ہے۔(۳۱)

عہد وسطیٰ کی تاریخ داراشکوہ اور عالم گیر کی باہمی معرکہ آرائیوں کی وجہ سے مورخین کی خاص دلچسپی اور توجہ کا مرکز رہی ہے، کسی نے داراشکوہ کو حق بجانب اور کسی نے عالم گیر کو سراپا عادل ومنصف ثابت کرنے کی کوشش کی، حالانکہ اصول تاریخ نویسی کی رو سے یہ جانب داریاں صحیح طرز عمل نہیں قرار دی جاسکتیں، مولانا آزاد اس معاملہ میں داراشکوہ کے طرف دار نظر آتے ہیں جب کہ مشہور مورخ علامہ شبلی عالمگیر پر عائد الزامات کی تردید کرتے

ہیں غالباً یہ ان چند پہلوؤں میں سے ایک ہے جہاں شبلی وابوالکلام کے افکار وخیالات میں تفاوت نظر آتا ہے۔

مولانا آزاد نے کچھ ایسی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن پر ان کے قلم سے حواشی اور فٹ نوٹ ہیں، جناب سید مسیح الحسن صاحب نے ان کو حواشی ابوالکلام کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کر دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے زیر مطالعہ مختلف زبانوں اور مختلف علوم وفنون کی کتابیں رہا کرتی تھیں ان میں ایک بڑی تعداد تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کی بھی ہے، چند کے نام یہ ہیں۔

خزانۂ عامرہ، مآثر الکرام، (دو جلدیں) مرأۃ الخیال، مضامین عالمگیر، منتخب التواریخ، تزک جہانگیری، تاریخ پنجاب، تحفۃ الاحباب، مآثر الامرا، سیر المتاخرین، رقعاتِ عالم گیر، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، تجارب الامم، سخندان فارس، تذکرۃ الشعرا وغیرہ۔

یہ ان کتابوں کی سرسری فہرست ہے جن پر مولانا آزاد کے حواشی یا نوٹ ہیں اس سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ انہوں نے تاریخی کتابوں سے کس قدر شغف وانہماک رکھا۔ البتہ ان سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ تاریخ کی ہر طرح کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔

مولانا آزاد نے جو حواشی لکھے ہیں وہ اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ ان میں بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بعض میں نقطۂ نظر کا اختلاف ہے۔ واقعات تاریخ کے سلسلے میں بعض مفید مشورے ہیں۔ تاریخ سے شغف رکھنے والوں کے لئے ان کا مطالعہ افادیت سے خالی نہیں۔ یہاں علامہ شبلی کی کتاب مضامین عالمگیر کے حواشی کا اس پس منظر میں ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے مولانا آزاد کی تاریخی بصیرت اور تاریخ ہند، اور عالم گیر کے سلسلے میں ان کے موقف کی وضاحت ہوتی ہے۔

عالم گیر اور شیواجی کی معرکہ آرائی میں بالآخر شیواجی مغلوب ہوا اور دربار میں آیا،

عالمگیر نے اس کے استقبال کے لئے اپنے دوعہدے داروں کو بھیجا، پنج ہزاری منصب دیا جس سے وہ مطمئن نہیں ہوا، بعض یورپین مورخین عالمگیر پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اس نے شیواجی کا شایان شان استقبال نہیں کیا، علامہ شبلی نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ

> ''شیواجی کی اطاعت کا سلطنت پر کیا احسان تھا؟ شاہی فوجوں نے اس کے تمام علاقے فتح کر لئے تھے وہ قلعہ میں چاروں طرف سے گھر چکا تھا، اس کے خاص صدر نشیں قلعے کے برجوں پر شاہی فوج کا پھریرا اڑ چکا تھا، ان مجبوریوں سے وہ ہتھیار رکھ کر غلاموں کی طرح آیا اور دربار میں روانہ کیا گیا تاہم اس کے استقبال کے لئے عالم گیر نے دربار میں سب سے زیادہ جو شخص موزوں ہوسکتا تھا اس کو بھیجا، پنج ہزاری امرا کی صف میں جو خود راجہ جے سنگھ کا منصب تھا اس کو جگہ دی، اس سے زیادہ وہ اور کیا چاہتا تھا؟ کیا شہنشاہ ہند ایک مفتوح رہزن کے لئے تخت سے اتر آتا؟ بے شبہہ یورپ اس قسم کی جھوٹی اور مکارانہ خوشامدوں کی مثالیں پیش کرسکتا ہے لیکن اسلام سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔''(۳۲)

یہاں عالمگیر اور شیواجی کی بحث میں اسلام کو لانا یقیناً قابل اعتراض ہے چنانچہ مولانا آزاد نے یہ لکھ کر کہ ''گویا اعمال عالم گیر اعمال نفس اسلام تھے''، انتہائی لطیف پیرائے میں شبلی پر تنقید کی ہے۔(۳۳)

شیواجی کے بیٹے سنبھاجی کی باغی کارروائیوں کے خلاف کارروائی ہوئی اور وہ گرفتار کیا گیا اور چونکہ جب وہ دربار میں لایا گیا تو اس نے عالم گیر کو درروسخت گالیاں دیں اس لئے عالم گیر نے اس کی زبان کاٹنے کا حکم دیا اور پھر آنکھیں نکلوا کر قتل کرادیا۔ علامہ شبلی نے عالم گیر کی پچاس سالہ حکومت میں اسے ایک مستثنیٰ واقعہ قرار دیا ہے۔ مولانا آزاد اس سے اتفاق نہیں کرتے اور طنزاً لکھتے ہیں:

''اگر چہ عرق پوست پلا پلا کرز ندانیان گوالیارکو ہلاک کرتا رہا،اسلام نے تو ہر حال میں مثلہ کو نا جائز قرار دیا ہے لیکن یہ مقدس ولی مغلوب ومحکوم دشمن کی زبان کٹواتا ہے اور آنکھیں نکلواتا ہے۔''(۳۴)

سنبھا کے ساتھ اس کی ماں اور بیٹا ساہو بھی گرفتار ہوئے تھے ان کے ساتھ عالمگیر نے بڑا احسن سلوک کیا، ہفت ہزاری منصب اور راجہ کا خطاب دیا،اس کی سرکار بھی قائم کی، اس کا خیمہ شاہی خیمے کے ساتھ ایستادہ کرایا، مولانا آزاد کا خیال ہے کہ ''کیا اس سے الفنسٹن کے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی کہ عالم گیر نے مرہٹوں کے ساتھ بالآخر وہ کیا جو ان کی توقع سے زیادہ تھا،اگر سخت مجبوری نہ ہوتی تو اس درجہ تالیف قلب ممکن نہ تھی۔(۳۵)

راجہ جسونت سنگھ نے کئی بار اپنی وفاداریاں تبدیل کیں۔اور ہر بار عفو ودرگذر کی درخواست دربار عالم گیر میں منظور ہوئی،اس کی موت کے بعد راجپوتوں نے اس کے یک ماہہ بچے کو راجہ بنانے کی مانگ کی اور دربار کے جواب سے پہلے ہی اس کو لے کر فرار ہوگئے، شبلی نے اس پوری بحث میں عالم گیر کو حق بجانب ٹھہرایا ہے مگر مولانا آزاد نے یہ سوال کیا ہے کہ ''اگر کوئی مخالفانہ عزم وعمل عالم گیر نہ تھا تو کارپردازان جسونت سنگھ نے بچوں کو کیوں حوالہ نہیں کیا اور ابتدا سے مخالفانہ رویہ کیوں دکھلایا؟(۳۶)

داراشکوہ کے بارے میں علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ وہ علانیہ ہندوپن کا اظہار کرتا تھا اپنشد کے ترجمہ میں اس نے لکھا ہے کہ قرآن مجید اصل میں اپنشد ہے اس عبارت میں علامہ شبلی کو الحاد نظر آتا ہے مولانا آزاد کو اس سے اتفاق نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اس میں کیا الحاد ہے، اگر اپنشد سرچشمۂ بحر توحید بقول داراشکوہ ہے اور مطالب قرآن سے متحد تو یقیناً وَمَاأُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ میں داخل ہے اور قرآن مثل توراۃ وانجیل اس کا مصداق (۳۷) یہاں تعجب ہوگا کہ جس بات میں شبلی کو الحاد نظر آتا ہے اس میں انہیں کے تربیت یافتہ مولانا آزاد کو کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

عالم گیر نے اپنے عہد میں میلوں ٹھیلوں کو حفاظتی نقطۂ نظر سے بند کرا دیا تھا، تابوت نکالنے پر بھی پابندی عائد کر دی تھی، مولانا آزاد نے شرعی نقطۂ نظر سے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ''ہندوؤں کے مذہبی میلوں کو بند کرنے کا شرعاً وقانوناً اس کو کوئی حق نہ تھا، مذہبی واخلاقی اصلاح صرف مسلمانوں کے لئے تھی نہ کہ ذمیوں کے لئے۔(۳۸)

علامہ شبلی نے مآثر عالمگیری کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے استناد انہیں مقامات پر کیا جائے گا جہاں دوسرے مورخین اس کے ہم زبان ہیں۔(۳۹) مگر انہوں نے ہندوؤں کی ملازمت سے برطرفی کے معاملہ میں مآثر عالمگیری سے استناد کیا ہے، مولانا آزاد کی نظر یہاں کیسے چوک سکتی تھی چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ''اب انکار واقعہ سے پہلے تصدیق وعدم توثیق صاحب مآثر کا مسئلہ طے کرنا چاہئے۔(۴۰)

علامہ شبلی نے عالم گیر کی بت شکنی اور ہندوؤں سے تعلقات پر طویل بحث وتحقیق کی ہے اس سلسلہ میں الفنسٹن کی تردید بھی کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عالمگیر کی تخت نشینی سے پہلے ہندوؤں نے بہت زور پکڑ لیا تھا عالم گیر نے ان کو روکنا چاہا تو شورش برپا ہوئی، علامہ شبلی کے اس موقف کے بارے میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ''کیا لطف کی بات ہے کہ ایک طرف الفنسٹن کا رد کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو عالمگیر سے کوئی پرخاش نہ ہوئی، دوسری طرف شورش ومخالفت عامہ کا اقرار بھی اور یہ بھی کہ تقرر جزیہ سے ہندو بگڑ اٹھے تھے۔(۴۱)

عالم گیر کی بت شکنی کے علامہ شبلی نے متعدد اسباب بیان کئے ہیں مثلاً ہندوؤں نے بعض مسجدوں پر قبضہ کر لیا اور مسلمان عورتوں کو جبراً اپنے گھروں میں داخل کر لیا، اپنے مذہبی علوم کی مسلمانوں کو جبری تعلیم دینے لگے تھے، عالم گیر نے ان دست درازیوں کو روکنا چاہا تو شورش برپا ہوئی، مجبوراً عالم گیر کو فوج کشی کرنی پڑی، مگر مولانا آزاد اس سے اتفاق نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں ''گویا یہ بھی جرم تھا اور اس کا انسداد ایک منصف گورنمنٹ کے لئے ضروری تھا؟ مصنف اس سے بالکل بحث نہیں کرتا کہ ہندوؤں کی شورش کے اصل اسباب

کیا تھے۔(۴۲)

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں امن وامان قائم ہو گیا تو کوئی ایک بھی بت خانہ منہدم نہیں کیا گیا، مولانا آزاد نے اس موقفپر چوٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس لئے کہ عالم گیر نے نتائج دیکھ لئے اور مرہٹوں کی شورش نے مزید مہلت نہ دی۔'' (۴۳)

شاہجہاں کے بیمار ہونے کے بعد داراشکوہ نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے، مراد اور عالم گیر کے وکلا کو نظر بند اور ان کا مال ضبط کر لیا تھا، یہ واقعات شبلی نے مآثر عالمگیری سے نقل کئے ہیں، اس سلسلے میں مولانا آزاد کا خیال ہے کہ ''اس کی تصدیق اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوتی اور پہلے دعویٰ کیا گیا ہے کہ عالم گیر نامہ اور مآثر عالم گیری سے استشہاد نہ کیا جائے گا، الاتبعاً۔ (۴۴)

مولانا آزاد نے ایک دو جگہ واضح طور پر علامہ شبلی کی تاریخ نگاری پر تنقید کی ہے مثلاً علامہ نے لکھا ہے کہ داراشکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہجہاں کے خط سے اپنا خط ملا دیتا تھا اور فرامین پر شاہجہاں کے دستخط اپنے ہاتھ سے بنا تا تھا۔(۴۵) اس اقتباس کے حاشیہ میں مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ کیا منصفانہ تاریخ نویسی ہے کہ مراد جو خود ایک فریق ہے اور داراشکوہ کا دشمن اس کے قول کی سند لائی جاتی ہے (۴۶)۔ اسی طرح مراد اور عالم گیر کے تعلقات اور پھر مراد کے خاتمہ پر علامہ شبلی نے جو بحث کی ہے مولانا آزاد اس پر بھی نکتہ چیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مصنف نے اس ٹکڑے کو بالکل نظر انداز کر دیا کہ شجاع و مراد کی یہ حالت اورنگ زیب کے تخلف عہد کے بعد ہوئی یا پہلے، برنیئر اور عاقل خاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ورود آگرہ کے بعد اورنگ زیب نے باکل رنگ بدل دیا، مراد کو بیرون شہر چھوڑا خود شاہانہ طمطراق سے آگرہ میں داخل ہوا تو اس وقت مراد سے بے دلی کے آثار ظاہر ہوئے۔'' (۴۷)

علامہ شبلی کا خیال ہے کہ اورنگ زیب نے مراد کے معاملہ میں شمشیر کے بجائے تدبیر سے کام لیا اگر وہ تدبیر کے بجائے شمشیر سے کام لیتا تو ہم اس کی زیادہ تعریف کرتے، انہوں نے منصور عباسی کی مثال بھی پیش کی ہے، مولانا آزاد نے اس موقف پر بڑی سخت چوٹ کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جس شخص کی زبان پر ہمیشہ قا اللہ اور قال الرسول ہو اور شریعت اور حفظ دین کے دعوؤں سے تمام فرامین ومراسلات مملو ہوں اس کا دعویٰ منصور عباسی کے ہمتا ہونے کا یقیناً نہیں ہوگا بلکہ خلفائے راشدین کا۔'' (۴۸)

علامہ شبلی نے مراد کے خطوط کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ داراشکوہ کے خلاف جنگ میں مراد نے پہل کی تھی۔ عالم گیر نے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ بضد رہا۔ مولانا آزاد اس سے بھی متفق نہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''عالم گیر مراد کو روک رہا تھا تو اس سے مصنف کو کوئی فائدہ نہیں۔ اس روک سے مقصد یہ تھا کہ مراد عالم گیر سے بازی نہ لے جائے۔(۴۹)

علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں عالم گیر کی ذاتی خوبیوں کو بھی بیان کیا ہے مگر مولانا آزاد اسے سرکاری احکام کی نقل اور بے سود بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''شخصی حکمرانوں کے اوصاف ومناقب میں ان کی سرکاری تاریخوں سے محض احکام نقل کر دینا بے سود ہے، اصل چیز واقعات میں عملاً وفعلاً انصاف ہے۔(۵۰)

ان حواشی سے اگرچہ داراشکوہ کی طرفداری صاف ظاہر ہوتی ہے تاہم خود اورنگ زیب کی کردارکشی میں انگریز مورخوں اور سیاحوں نے جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی مولانا آزاد کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے:

''مغربی سیاحوں اور مورخوں کے ملمع کار اور پر از تاثر قلم نے جن عجیب چالاکیوں سے اورنگ زیب کی فرضی تصویر کھینچی ہے کہ وہ دنیا کے

اس متمدن ترین خطے کے قلمی فریبوں کی فہرست میں ہمیشہ نمایاں رہے گی۔''(۵۱)

مولانا آزاد کے متعدد خطوط میں بھی تاریخی مباحث موجود ہیں، ظاہر ہے خطوط میں وہ مباحث ہی ہوں گے جو بلا کسی تدقیق کے مطالعہ وحافظہ کے رہین منت ہوتے ہیں، یہاں اسے اس غرض سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے پورے طور پر ان کے مورخانہ شعور کا اظہار ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹیپو سلطان شہید اور ان کے عہد کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں ان سے کس قدر واقف تھے، واقعہ یہ ہے کہ غلام رسول مہؔر نے ٹیپو سلطان کی تاریخ لکھنے کی خواہش کا اظہا کیا اور اس سے متعلق مولانا آزاد سے تفصیل دریافت کی، اس کے جواب میں مولانا آزاد نے جو خط لکھا ہے اس سے حیدر علی اور ٹیپو شہید کی تاریخ کے بارے میں چند اہم اور بنیادی تاریخی ماخذ کا پتہ چلتا ہے، ان سے فارسی کے علاوہ انگریزی اور فرنچ کتابوں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے، مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''ٹیپو سلطان کی جس کتاب کا ذکر کیا تھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہی کتاب ہے جس میں فرنچ قواعد جنگ کو فارسی میں منتقل کیا گیا ہے، حیدر اور ٹیپو کے لئے جن انگریزی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے غالبًا وہ آپ نے جمع کر لی ہوں گی، چارلس اسٹیورٹ کی ''میموئرس آف حیدر علی اینڈ ہنرسن'' کرنل بیٹسن کی ''اے ریو یو آف دی اوریجن اینڈ کنڈ کٹ آف دی واؤتھ ٹیپو'' اور ''این آفیسران دی ایسٹ انڈیا کمپنیز سروس'' کی اتھینٹک میموئرس آف ٹیپو' دوسری اور آخری جنگ کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں اور کتب خانوں میں مل سکتی ہیں، ایک فرنچ افسر ایم ایم ڈی ایل ٹی نے حیدر علی کے حالات ۱۷۸۱ء میں لکھے تھے اور لندن میں شائع کئے تھے، پرنس غلام محمد نے اس کی نقل کلکتہ میں چھپوا کر غدر سے پہلے شائع کی تھی

حیدرعلی کے لئے یہ سب سے بہتر کتاب ہے ان کے علاوہ اس عہد کے سرکاری ڈسپیچوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے، جوشائع ہو چکے ہیں خصوصاً لارڈ کارنوالس اور ویلزلی، کے والٹرہیملٹن کے ایسٹ انڈیا گزٹ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، لیفٹیننٹ کرنل مارک ویلکس کی ہسٹری آف میسور میں بھی حیدراور ٹیپو کی جنگوں کی تفصیلات مل سکتی ہیں۔

فارسی کتابوں میں صرف تین کتابیں قابل اعتنا ہیں، لالہ کھیم نرائن کی فتوحات حیدری، حسین علی کرمانی کی نشان حیدری اور مولوی عبدالرحیم کی کارنامہ حیدری، پہلی دو کتابیں شائع نہیں ہوئی، لیکن مولوی عبدالرحیم کے پیش نظر تھیں، ان کا تمام ضروری حصہ انہوں نے اپنی کتاب میں لے لیا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نقل کرلیا ہے، اس میں حیدر علی کے خاندان کو عربی اور شاہی خاندان بنا دینے کے لئے جو کہانی لکھی گئی ہے وہ یقیناً فرضی ہے، لیکن عام حالات ضرور مستند سمجھے جائیں۔

ٹیپو سلطان کے خاندان کے قبضے میں چند کتابیں اور بھی تھیں یہ لوگ چونکہ والدمرحوم کے مرید تھے اس لئے اکثر گھر میں آتے رہتے اور بچپنے کی بات یاد ہے کہ کئی قلمی کتابوں کا ذکر کرتے تھے، لیکن بعد کو جب مجھے خیال ہوااور ان کتابوں اور یادداشتوں کو دیکھنا چاہا تو انقلاب حال نے سارا کارخانہ برہم کردیا تھا، کوئی چیز بھی کسی کے قبضے میں باقی نہیں رہی تھی۔ ملا فیروز نے جارج نامہ میں لڑائیوں کا حال نظم کیا ہے اور وہ میرے کتب خانے میں موجود ہے لیکن وہ تمام تر انگریزی بیانات کی نقل ہے تاریخی حیثیت سے لائق اعتنا نہیں، البتہ اس سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ حیدرعلی کی عظمت اور ٹیپو کی شجاعت کا عام طور پر اعتراف کیا

جاتا تھا۔''(۵۲)

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

''حیدرعلی اور ٹیپو سلطان کے حالات لکھتے ہوئے وہ کتابیں بھی سامنے رکھنی چاہئیں جو بعض انگریز قیدیوں نے رہائی کے بعد لکھی تھیں، اس سلسلے میں تین تحریروں کا حوالہ دیا جاتا ہے، جیمس برسٹو کی ''سرگذشت'' کرنل بیلی کے ''ایک آفیسر کا جرنل'' اور جیمس سکری کی ''لائف'' حال میں ٹریولرس کی لائبریری نے ان تینوں رسالوں کا ایک مجموعہ' کیپٹو ز آف ٹیپو' کے نام سے شائع کر دیا ہے، اگر آپ نے یہ کتاب ابھی نہ لی ہو تو بہتر ہے کہ منگوا لیجئے۔ ان لوگوں نے قید و بند کے جو شدائد بیان کئے ہیں انہیں احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے، خصوصاً سکری (Scurry) کے بیانات، فرنچ میں کئی کتابیں حیدرعلی اور ٹیپو کے حالات میں لکھی گئی ہیں جن کا انگریزی ترجمہ نہیں ہوا ہے، یہ ضروری ہے کہ کسی ماہر سے اس کے بارے میں خط و کتاب کر لی جائے۔''(۵۳)

مولانا آزاد کے تاریخی مطالعے، وسعت نظر اور حیرت انگیز معلومات پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب ابوسلمان شاہجہاں پوری نے لکھا ہے کہ:

''جعفری خاندان کی تاریخ ہو یا پٹھانوں کی تاریخ، ان کے خصائص و کمالات کا بیان وہ اس طرح کرتے تھے کہ خود صاحب علم و مطالعہ جعفری اور پٹھان بھی حیرت زدہ رہ جاتے تھے، حتیٰ کہ حقہ کی تاریخ اس کی تدریجی ترقی عہد بہ عہد اس کی شکل میں تبدیلی، اس کی نے کی مختلف شکلوں اور ان کی لمبائی موٹائی کے اختلاف سے اس کی آواز پر معمولی اثر، پتنگ کی تاریخ، اس کی مختلف شکلیں، اس کے اڑانے اور لڑانے کے طریقے،

چائے کی تاریخ، کاشت، اس کی اقسام اور اس کے ذائقے کا تذکرہ، بلبلوں اور اس کی نسلوں کا بیان، پھول پودے اور ان کی اقسام زیر بحث ہوں یا پرندوں اور جانوروں کی نفسیات پر قلم اٹھائیں، وہ ہر چیز کا بیان اس تفصیل سے کرتے ہیں کہ پڑھنے والے نہ صرف ان کے بیان کی ندرت پر عش عش کر اٹھتے ہیں بلکہ ان کے علم ومطالعہ کی وسعت، حیرت انگیز کمال حافظہ اور بے نظیر قوت استحضار کا اعتراف کرتے ہی بن پڑتا ہے۔"(۵۴)

ان چند مباحث اور اجمالی جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا آزاد تاریخ اسلام، تاریخ عالم اور خاص طور سے ہندوستان کی تاریخ سے پوری طرح باخبر تھے اور اس کی ایک ایک جزئی اور فروعی بات پر ان کی نظر تھی، وہ علوم فنون کی تاریخ سے بھی کما حقہ واقف تھے اور ان کے اسی تاریخی شعور اور بصیرت سے ان کے کارناموں کو بلاشبہہ بقائے دوام کی دولت نصیب ہوئی۔

حواشی:

(۱) انڈیا ونس فریڈم ص۳۷، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۹۹۷ء

(۲) سرمد شہید، رباعیات سرمد، ص۲۲، انڈین کاونسل فار کلچرل ریلیشنز، دہلی ۱۹۹۲ء

(۳) ذکریٰ، ص۶۸، شرکت ادبیہ، علی گڑھ ۱۹۲۵ء

(۴) ۲۴/مارچ ۱۹۵۱ء کو دہلی میں یونیسکو کے جلسے سے خطاب کا ایک اقتباس۔

(۵) پروفیسر خلیق احمد نظامی، ایوان اردو، دہلی، ابوالکلام آزاد نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ء ص۱۱۱

(۶) افکار آزاد، ص۱۱، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۶۹ء

(۷) تلاش آزاد، ص۲۸

(۸) ایوان اردو دہلی، آزاد نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ء ص۱۱۲

(۹) غبار خاطر، ص ۲۷۶، ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۹۶ء

(۱۰) ایوان اردو، دہلی، آزاد نمبر، ص ۱۱۴، دسمبر ۱۹۸۸ء

(۱۱) خطبہ صدارت، لاہور، ص ۴۰۔۴۲

(۱۲) موج کوثر، ص ۲۶۴، تاج کمپنی دہلی ۱۹۹۹ء

(۱۳) ایضاً ص ۲۷۲

(۱۴) خطوط ابوالکلام آزاد، ص ۱۱۳، ساہتیہ اکادمی، دہلی ۱۹۹۱ء

(۱۵) الہلال ۱۶/ستمبر ۱۹۱۴ء

(۱۶) ایضاً ستمبر ۱۹۱۴ء

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً

(۱۹) قول فیصل، ص ۳۴

(۲۰) ترجمان القرآن، جلد ۴، ص ۴۰۶، ساہتیہ اکادمی، دہلی

(۲۱) ایضاً، ص ۴۰۶ تا ۴۳۰

(۲۲) ترجمان القرآن، جلد ۴، ص ۴۳۰ تا ۵۱۴

(۲۳) ایضاً ص ۴۰۹

(۲۴) مولانا ابوالکلام آزاد، سیرت وشخصیت اور علمی کارنامے، ص ۵۷، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء

(۲۵) مقدمہ ارمغان آزاد، ص ۷، آزاد اکادمی، کراچی، ۱۹۷۸ء

(۲۶) تقریر انڈین ہسٹاریکل کمیشن، ص ۲۸

(۲۷) ذکر آزاد، ص ۴۳۶۔۴۳۷، کلکتہ، ۱۹۶۰ء

(۲۸) ثقافۃ الہند، جون ۱۹۵۱ء ص ۱۴ ب

(۲۹) ایضاً

(۳۰) رباعیات سرمد، سرمد شہید، ص ا۔۲

(۳۱) تقریر انڈین ہسٹاریکل کمیشن، ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۸ء

(۳۲) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۲۷۔۲۸ طبع جدید دارالمصنّفین ایڈیشن

(۳۳) حواشی ابوالکلام آزاد، ص ۳۴۸، اردو اکادمی، دہلی

(۳۴) ایضاً ص ۳۴۸، ۳۴۹

(۳۵) ایضاً

(۳۶) ایضاً، ص ۳۵۰

(۳۷) ایضاً

(۳۸) ایضاً ص ۳۵۱

(۳۹) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۷۷

(۴۰) حواشی ابوالکلام آزاد، ص ۳۵۱

(۴۱) ایضاً ص ۳۵۲

(۴۲) ایضاً ۳۵۳

(۴۳) ایضاً ص ۳۵۴

(۴۴) ایضاً ص ۳۵۵

(۴۵) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص ۸۳

(۴۶) حواشی ابوالکلام آزاد ص ۳۵۶

(۴۷) ایضاً ص ۳۵۸

(۴۸) ایضاً ص ۳۵۸۔۳۵۹

(۴۹) ایضاً

(۵۰) ایضاً ص۳۶۰

(۵۱) مقدمہ ارمغان آزاد ص۲۳۸

(۵۲) خطوط ابوالکلام آزاد، ص۲۶۹، ۲۷۰، ساہتیہ اکادمی، دہلی، ۱۹۹۱ء

(۵۳) ایضاً

(۵۴) مقدمہ ارمغان آزاد، ص۹-۱۰

Darul Musannefin Shibli Academy
Azamgarh-276001(U.P.)
www.shibliacademy.org
Email: shibli_academy@rediffmail.com

ISBN 81-952765-9-8
9788195276592

Rs. 150/-